حکمتِ اقبال (۵۱)
ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

خودی اور سوشلزم (۳)

اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے

پھر نبوت انسان کو بتاتی ہے کہ جسم جس کی پرورش اور خاطر مدارات میں تم اپنی زندگی کے قیمتی اوقات غیر ضروری طور پر صرف کرتے رہتے ہو ناپائیدار اور فانی ہے اور اس کے برعکس خودی کی زندگی پائیدار اور دائمی ہے۔ لہٰذا عقل مندی نہیں کہ ناپائیدار زندگی کی خاطر پائیدار زندگی کو قربان کرو۔ تم جسم کی زندگی (حیاتِ دنیا) کو خودی کی زندگی (آخرت) پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ خودی کی زندگی اپنی لازوال مسرتوں کی وجہ سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۞ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۞ (الاعلیٰ: ۱۶، ۱۷)

پھر نبوت جسم کی زندگی یا اس دنیا کی زندگی کا تجزیہ کر کے بتاتی ہے کہ وہ ہے کیا۔ اگر اس میں خودی کی ضرورتوں کا پورا پورا اہتمام نہ کیا جائے تو اس میں انسان کے مشاغل بس یہی رہ جاتے ہیں کہ کسی کھیل اور تماشا میں لگ جانا، اپنی غذا کو، اپنے لباس کو، اپنے مکان کو اور زندگی کے دوسرے ساز و سامان کو زیادہ سے زیادہ حسین بنانے کی کوشش کرنا، ایک دوسرے کے بالمقابل فخر کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں، زیادہ سے زیادہ روپیہ کمانے کی کوشش کرتے رہنا اور اولاد کو زیادہ خوشحال بنانے کی جدوجہد کرنا۔ ان تمام مشاغل کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آسمان سے مینہ برسے اور اس سے کھیتی لہلہانے لگے، پھر پورے جوبن پر آئے اور پک کر زرد ہو جائے اور کسان اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے لیکن آخر کار یہی کھیتی چورا چورا ہو جائے۔ اسی طرح سے اگر دنیا کمانے والا اپنی تمام خواہشات کے مطابق سب کچھ

حاصل کر لے تو پھر بھی موت اس کی کامیابی کو کالعدم کر دیتی ہے اور اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہتا، بلکہ اُسے آخرت میں خودی کی ضروریات کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے سخت عذاب ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان مشاغل کو ضرورت اور کفایت کے دائرہ کے اندر محدود کر دے اور اُن کی بجائے خودی کی زندگی یا آخرت کی زندگی کی ضرورتوں کی تکمیل کرے تو اُسے خدا کی بخشش اور رضامندی حاصل ہوتی ہے معلوم ہوا کہ جسم کی زندگی دھوکے کا مال ہے جو دیکھنے میں تو اچھا ہے لیکن در اصل خراب اور نکما ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۰)

نبوت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ زندگی اگر کوئی ہے تو وہ فقط خودی کی زندگی ہے۔ جسم کی زندگی اس قدر مختصر اور بے ثبات ہے کہ اسے زندگی سمجھنا ہی غلطی ہے۔ انسان اگر سو سال تک بھی زندہ رہے تو موت کے وقت اُسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی کی مدّت ایک دن یا ایک دن کے حصّہ سے زیادہ نہیں ہوئی۔ قرآن حکیم میں ایک شخص کا قصہ بیان کیا گیا ہے جسے خدا نے ایک سو سال تک حالتِ موت میں رکھا اور پھر زندہ کیا۔ اور جب اُسے پوچھا گیا کہ تم کتنا عرصہ پڑے رہے ہو تو اُس نے جواب دیا ایک دن یا دن کا ایک حصّہ۔ فرمایا گیا کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے!

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو یعنی دنیا یا جسم کی زندگی کو آخرت یا خودی کی زندگی کے لیے رکاوٹ نہ بناؤ بلکہ معاون بناؤ۔ جن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ لغو اور بیکار اور نقصان رساں ہیں وہ وہی ہیں جن کی ساری کوششیں جسم کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں ضائع ہو گئیں اور اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نہایت ہی اچھا کام کر رہے ہیں:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۳-۱۰۴)

مومن اپنی جان اور اپنا مال خدا کو دے چکا ہے

پھر نبوت نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم جنت چاہتے ہو تو خدا پر ایمان لاؤ یعنی جو بات خدا نبوت کی معرفت تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہے اُسے برحق جانو۔ اور خدا پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اپنی جان اور اپنا مال دونوں کو خدا کے حوالے کر دو کہ وہ جب چاہے اور جس طرح سے چاہے ان کو خرچ کرے اور تم خود اس بات کی ہرگز کوئی فکر نہ کرو کہ ان دونوں میں سے کوئی چیز تمہارے پاس باقی رہتی ہے یا نہیں۔ ان کے عوض میں تمہیں جنت حاصل ہوگی جو خودی کی کامیاب زندگی کا نتیجہ ہوتی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱)

افلاس کے خوف سے بچنے کی ضرورت

پھر نبوت انسان کو بھوک اور افلاس کے خوف سے نجات دلانے کی کوشش کرتی ہے تاکہ انسان اُن کے خوف سے خودی کو چھوڑ کر جسم کے مطالبات کی پیروی میں نہ لگ جائے۔ وہ اُسے کہتی ہے کہ تمہیں حد سے زیادہ روٹی کی فکر نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ خدا نے ہر جاندار کا رزق اپنے ذمّے لے رکھا ہے اور وہ اُسے ضرور مل کر رہے گا: وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا (ہود: ۶) خدا رازق ہے اور رازق بھی ایسا جو کمزور نہیں ہے کہ کبھی رزق پہنچا سکے اور کبھی نہ پہنچا سکے بلکہ وہ رزق بہم پہنچانے کی زبردست قوت کا مالک ہے: ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ (الذاریات: ۵۸) جسمانی ضرورتوں کا حیاتیاتی دباؤ اور اُن سے پیدا ہونے والا طلبِ معاش کا جذبہ جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے ان ذرائع میں سے ایک ہے جو خدا انسان کو رزق بہم پہنچانے کے لیے کام میں لاتا ہے۔ لہٰذا معاش کی جستجو کرنا بھی ایک فرض قرار دیا گیا ہے لیکن معاش کی جستجو مقصود بالذّات نہیں بلکہ اسے خدا کی عبادت اور اطاعت کے لیے جسم کو زندہ رکھنے کا ایک ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ مقصود بالذّات کے طور پر معاش کی جستجو انسان کو کسبِ معاش کے غلط طریقوں کو اختیار کرنے اور خودی کی ضرورتوں کو نظر انداز کرنے پر مجبور کرتی ہے اور خودی کی ان ضرورتوں میں سے ایک توکل بھی ہے۔

پھر نبوت انسان کو براہِ راست بھی اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ مفلسی کے خوف سے بے پروا

ہوکر اپنی خودی کی ضرورتوں کو پورا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ چاہے تو تمہیں دولت مند بنادے۔
وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ (التوبہ : ۲۸)

مفلسی ایک امتحان ہے

مفلسی اس لیے آتی ہے کہ انسان کو آزمایا جاتے کہ آیا وہ مفلسی کی حالت میں صبر سے کام لے کر حق کے راستہ پر ثابت قدم رہتا ہے یا مفلسی کے خوف سے اس راستہ کو چھوڑ کر اپنی مفلسی کو ہر جائز یا ناجائز طریق سے دور کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ حضور نے فرمایا ہے کہ افلاس انسان کو کفر کے قریب لے آتا ہے (كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا) یہی سبب ہے کہ خدا افلاس کو ایمان کی آزمائش کے لیے کام میں لاتا ہے۔ سچا اور پکا ایمان وہی ہے جو افلاس کی حالت میں بھی متزلزل نہ ہو اور جس کے ہوتے ہوتے افلاس صبر کا ردعمل پیدا کرے اور کفر اور معصیت کا ردعمل پیدا نہ کر سکے۔ جو مومن آزمائش میں صبر سے کام لیتا ہے اور خودی کی ضروریات کی تشفی کرنے میں پریشان ہونے کے بغیر مصروف رہتا ہے اس کی خودی اپنی ترقی کے ایک بلند تر مقام پر قدم رکھتی ہے' جس طرح سے ایک طالب علم جو امتحان میں کامیاب ہوتا ہے ترقی پاکر اوپر کی جماعت میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ہم ضرور ہی تم کو موت کے خوف سے' بھوک سے' مالوں اور جانوں کے نقصان سے اور زرعی پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے اور جو لوگ ان مصیبتوں پر صبر کریں گے اُن کو خوش خبری سنا دیں کہ اس امتحان میں کامیاب ہونے کی وجہ سے اُن کی خودی کے درجاتِ ارتقا بلند ہوں گے (نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ۔ الانعام: ۸۳) جن بدبخت لوگوں پر افلاس کا خوف یہاں تک سوار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ اُن کے لیے رزق بہم پہنچانا مشکل ہو جائے نبوت اُن کو اس حرکت سے باز رہنے کا حکم دیتی ہے اور اُن کے خوف کو دور کرنے کے لیے اُن کو یقین دلاتی ہے کہ اُن کا اور اُن کی اولاد کا رازق خدا ہے اور وہ خود نہیں۔ خدا کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو، تمہیں اور تمہاری اولاد دونوں کو رزق دینے والے ہم ہیں۔
وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ (بنی اسرائیل: ۳۱)

کفایت شعاری کی تلقین

پھر خودی کے ٹھوٹیعنی جسم کے حد سے متجاوز مطالبات سے خودی کو بچانے کے لیے نبوت اس بات پر زور دیتی ہے کہ جسم کی ضرورتوں پر بقدرِ کفایت خرچ کرو جس سے جسم زندہ اور توانا رہے اور خودی کے کام آتا رہے۔ جو لوگ اس سے زیادہ خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں کیونکہ وہ شیطان کے مقصد کو پورا کرتے ہیں جو یہ چاہتا ہے کہ انسان خودی کی ضرورتوں کو نظر انداز کرے اور جسم یا نفس کی ضرورتوں کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دے یہاں تک کہ اس کی زندگی ختم ہو جائے اور وہ جہنم میں پہنچ جائے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل: ۲۷)

فالتو مال کو صدقہ میں دینے کا حکم

اور پھر نبوت یہ حکم دیتی ہے کہ کفایت اور ضرورت سے جو کچھ بچ رہے وہ اپنے پاس نہ رکھو بلکہ خدا کی راہ میں دے دو۔ (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ البقرہ: ۲۱۹) نبوت کی تعلیم کا زور اس بات پر ہے کہ مال کو جسم کی وقتی ضرورت کا مداوا سمجھا جائے اور اسے جمع نہ کیا جائے۔ جو لوگ سونا اور چاندی کے سکوں کی صورت میں یا کسی اور صورت میں سونا اور چاندی کے سکوں کی شکل اختیار کر سکتی ہے مال جمع کرتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں نہیں دیتے انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ جب سونے اور چاندی کے سکے دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیے جائیں گے اور پھر ان سے ان کی پیشانیاں اور اطراف اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ سو جو کچھ تم جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (التوبہ: ۳۴، ۳۵)

حضورؐ کی وفات کے بعد حضورؐ کے مقتدر صحابی جناب ابوذر غفاریؓ جب دیکھتے تھے کہ لوگ خدا کے

اس حکم پر عمل نہیں کرتے جو اس آیت کے اندر موجود ہے اور مال جمع رکھتے ہیں تو اُن کو دکھ ہوتا تھا اور وہ لوگوں کو خدا کی اس نافرمانی کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔

حبِّ غیر اللہ کا استیصال

مومن کا صدقہ صرف اسی صورت میں سچی شمار ہوتا ہے جب وہ اس کی ملکیت کی اُن چیزوں پر مشتمل ہو جن سے اس کو محبت ہے کیونکہ اُسی صورت میں وہ غیر اللہ کی محبت کا استیصال کرتا ہے اور خدا کی محبت کو آزمائش میں کامیاب کرکے پختہ کرتا ہے۔ چنانچہ خدا کا ارشاد ہے کہ جب تک تم اپنی ایسی چیزیں خیرات میں نہ دے دو جن سے تمہیں محبت ہے تم ہرگز نیکی نہ پا سکو گے (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ آل عمران: ۹۲) جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک باغ ہے جس سے مجھے بڑی محبت ہے، میں خدا کے اس حکم کی تعمیل میں اُسے خیرات میں دینا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صدقہ کا پہلا اور اصل مقصد صدقہ دینے والے کی خودی اور اس کی محبت کی تربیت اور ترقی ہے، نہ کہ افلاس کا ازالہ۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ صدقہ دینے سے افلاس کا ازالہ بھی ہوتا ہے لیکن صدقہ کے ذریعے سے افلاس کا دُور کرنا بھی اس لیے ہے کہ ایک تو اس سے صدقہ دینے والے کے دل سے غیر اللہ کی محبت رخصت ہوتی ہے اور اُس میں خدا کی محبت کے لیے جگہ پیدا ہوتی ہے اور دوسرے وہ خدا کے اخلاقِ ربوبیت اور رزاقیت سے متخلق ہوتا ہے جس سے اُس کی خودی تربیت اور ترقی پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بقدرِ استطاعت انفاق کا حکم مُفلس کو بھی ہے اور دولت مند کو بھی، اور ہر حالت میں ہے تنگدستی میں بھی اور فارغ البالی میں بھی۔ (اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ - آل عمران: ۱۳۴) حالانکہ تنگدستی کی حالت میں انسان اپنے جسم کی جائز ضرورتوں کو بھی نظر انداز کرکے ہی دوسروں کو دے سکتا ہے۔

خدا کی رضا جوئی

یہی وجہ ہے کہ خیرات اور صدقہ کی قبولیت کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ اُس کے پیچھے خدا کی رضا جوئی کی نیت موجود ہو ورنہ صدقہ دینا نہ دینا برابر ہو جاتا ہے، بلکہ صدقہ دینا ریاکاری یا شرک ایسی ایک معصیت

شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ صدقہ لینے والے مفلس کی جسمانی ضرورت تو پھر بھی اس سے ویسی ہی پوری ہوتی ہے لیکن چونکہ ایسے صدقہ سے دینے والے کی خودی کی پرورش نہیں ہوتی اس فعل کو بیکار اور عبث ہی نہیں بلکہ ایک گناہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ اپنے صدقوں کو احسان جتا کر یا بعد میں ذہنی آزار پہنچا کر ضائع نہ کرو، ورنہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم بھی اس شخص کی طرح ہو جو خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور جو خدا کی محبت اور خوشنودی کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ (لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ البقرہ: ۲۶۴) مومن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ مفلس کو کھانا کھلائے لیکن اپنی نیکی کو اس توقع سے ضائع نہ کرے کہ کھانا کھانے والا آکل کو اس کے کام آئے گا یا اس کا شکر گزار ہو گا بلکہ واشگاف یہ اعلان کر دے کہ وہ محض لوجہ اللہ کھانا کھلا رہا ہے اور اس کے عوض میں کوئی صلہ یا شکریہ نہیں چاہتا تاکہ خدا کی محبت کا جذبہ اس کے عمل میں اظہار پائے اور اس کے نتیجہ کے طور پر اس کی خودی کے درجاتِ ارتقاء بلند ہوں۔ (اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا۔ الدہر: ۹) ایمان لانے والوں کا امتیاز یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو محض خدا کی محبت کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔ (وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ الدہر: ۸)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا کی رضامندی کے لیے محبت کرے، خدا کی رضامندی کے لیے بغض رکھے، خدا کی رضامندی کے لیے دے اور خدا کی رضامندی کے لیے دینے سے رک جائے (مثلاً جب دینا غیر اللہ کے لیے ہو) تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

تزکیہ نفس

زکوٰۃ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا کہ وہ ایک صدقہ ہے جو تمہارے دولت مندوں سے وصول کر کے تمہارے مفلسوں کو دیا جاتا ہے (صَدَقَةٌ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِكُمْ وَتُرَدُّ إِلَىٰ فُقَرَائِكُمْ) اس صدقہ کی اصلی اور بنیادی غرض بھی مومن کی خودی کی تربیت ہے۔ لفظ زکوٰۃ کا مفہوم بتا رہا ہے کہ اس کا مقصد کسی کا تزکیہ کرنا ہے کسی کی خودی کو خدا کی صفاتِ ربوبیت و رزاقیت سے حصہ دلا کر پاک کرنا ہے اگرچہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ سے یہ تزکیہ اسی لیے ہوتا ہے کہ اس سے کسی حاجت مند کی حاجت پوری ہوتی

ہے، ورنہ زکوٰۃ ادا کرنا خدا کی صفاتِ ربوبیت اور رزاقیت سے حصّہ نہ دلاسکے اور خودی کا تزکیہ نہ کرسکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے مال سے صدقہ وصول کرو جو اُن کے دلوں کو پاک کرے۔ (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ التوبہ: ۱۰۳) یہ نہیں فرمایا گیا تھا "جو مفلسوں کی مفلسی کو دور کرے" اگرچہ صدقہ سے ضمناً مفلسی بھی دور ہوتی ہے۔ پھر ایسا صدقہ جو غیر اللہ کے لیے دیا جائے (مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ البقرہ: ۱۷۳) شرک ہے اور اس کا قبول کرنا بھی حرام ہے، حالانکہ ایسا صدقہ بھی مفلسی کو دُور کرسکتا ہے۔

خودی کی تربیت

غرض لوگوں کو کھانا کھلانا اور مال و زر بخشنا بذاتِ خود کوئی نیکی نہیں جب تک کہ اس کے عقب میں خدا کی رضامندی کو حاصل کرنے کی نیت موجود نہ ہو۔ ایسی نیت کے بغیر یہ نیکی ایک باعثِ عذاب بدی بن جاتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ تعلیم نبوت میں غرباء کی مالی امداد کے حکم کا بنیادی مقصد وہی ہے جو خدا کی عبادت کا مقصد ہے یعنی تخلّق باخلاق اللہ سے خودی کے جذبۂ محبت کی تشفی اور پھر اس کی تشفی سے خودی کی تربیت اور ترقی یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا حکم صلوٰۃ کے حکم کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ اور دوزخ میں جانے والے بھی اپنے ان دو جرموں کا ذکر ایک ساتھ ہی کریں گے کہ ہم نہ نماز پڑھتے تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

سوشلزم نیکی سے بے تعلّق ہے

حضورؐ کی تعلیم نے اس گرانقدر حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ہر عمل کی حیثیت اور قدر و قیمت کا دار و مدار اُس نیت پر ہوتا ہے جو اُس کی محرک ہوتی ہو۔ وہی عمل جو ایک نیت کے ساتھ صواب ہو دوسری نیت کے ساتھ ناصواب ہو جاتا ہے (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) سوشلسٹوں کی اقتصادی مساوات کی کوششوں کے پیچھے خدا کی رضا طلبی کی کوئی نیت نہ موجود ہے اور نہ ہوسکتی ہے، کیونکہ سوشلزم خدا کے انکار پر مبنی ہے، لہٰذا یہ کوششیں اصل انسان یا خودی کے کسی کام کی نہیں اور ان میں کوئی نیکی یا خوبی موجود نہیں اس کے برعکس چونکہ یہ کوششیں خودی کے اصل مقصود کو انسان کی نظروں سے اوجھل کر دیتی ہیں لہٰذا وہ اس کے لیے موت کا پیغام ہیں

نبوت خودی کی مشکلات کا حل پیش کرتی ہے

اُوپر کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ نبوت سب سے پہلے اور براہِ راست جس مشکل کا حل پیش کرتی ہے وہ یہ نہیں کہ انسان کے عارضی اور ناپائدار آلۂ کار جسم کی پرورش کس طرح سے کی جائے بلکہ یہ ہے کہ انسان کی خودی کی پائدار اور مقصود بالذّات زندگی کو اس کے جسم کی پرورش کے جبلّتی تقاضوں کی زیادتیوں، خود غرضیوں اور بے اعتدالیوں کی دست بُرد سے کس طرح بچایا جائے تاکہ وہ تادم مرگ پوری آزادی کے ساتھ خدا کی محبت کے جذبہ کی تشفی کرتی رہے اور کائنات کے ارتقاء کا عمل، جو خودی کے اس عمل سے اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنے والا ہے، پوری قوت سے جاری رہے اور انسانی فرد کی خودی بھی بعداز مرگ خوف اور غم سے محفوظ رہے اور مسرّت اور شادمانی سے ہمکنار ہو، یعنی دوزخ سے بچے اور جنت میں جائے۔ نبوت کا مقصد اصل انسان کی خیر خواہی اور راہ نمائی ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسان کی حقیقت خدا کی محبت کا ایک جذبہ ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ نبوت اسی جذبہ کی تشفی کی راہ نمائی کرتی ہے۔ نبوت براہِ راست افلاس کا علاج نہیں کرتی بلکہ افلاس کے خوف کا علاج کرتی ہے تاکہ اُس بے حقیقت کیچڑ کے تقاضے جس کو جسم انسانی کہا جاتا ہے غالب آکر مستقل قدر و قیمت کے اُس گوہرِ تابدار کو برباد نہ کر دیں جسے انسانی خودی کا نام دیا گیا ہے۔

سوشلزم کے نظام میں سچی نیکی ممکن نہیں

بعض سوشلزم پسند مسلمان یہ کہا کرتے ہیں کہ سوشلزم کے نظام میں بھوک کے ختم ہونے سے بدی کی تمام قسمیں ختم ہو جاتی ہیں اور نیکی کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے، کیونکہ بھوک ہی چوری، ڈاکہ زنی، رشوت ستانی، دروغ گوئی، دھوکہ دہی، قتل اور تشدد اور عصمت فروشی کا سبب بنتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ حضرات نیکی اور بدی اور سچی نیکی اور جھوٹی نیکی کے اُس فرق کو مدنظر نہیں رکھتے جس کی وضاحت ہمیں قرآن حکیم میں ملتی ہے۔ قرآن حکیم نے سچے اور اصلی فعلِ جمیل کو جھوٹے اور نقلی فعلِ جمیل سے ممیّز کیا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ دنیا میں نیکی کی اتنی ہی قسمیں ہیں جتنے کہ نظریاتِ زندگی ہیں۔ ہر نظریہ حیات کی نیکی الگ قسم کی ہوتی ہے جو اُس نظریہ سے مطابقت رکھتی ہے۔ سچی نیکی پھر کون سی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ وہی

ہوگی جو سچے نظریے سے مطابقت رکھے گی۔ قرآن حکیم کے نزدیک سچی نیکی صرف وہی ہے جو خدا کی محبت کے سرچشمہ سے پھوٹے اور جس کی غرض خدا کی خوشنودی ہو۔ اصلی سخاوت اور نقلی سخاوت' اصلی سچ اور نقلی سچ' اصلی عدل اور نقلی عدل' اصلی پرہیز گاری اور نقلی پرہیزگاری' بظاہر ایک جیسے نظر آتے ہیں' لیکن درحقیقت دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

سچی نیکی کی تعریف

قرآن حکیم کے نزدیک سچی نیکی وہی ہے جس کا مقصد خدا کی محبت کے اظہار اور خدا کی رضامندی کی طلب کے سوائے اور کچھ نہ ہو۔ ایسی نیکی خدا کی محبت کو اور فروغ بخشتی ہے لیکن جھوٹی نیکی جس کی ہزاروں قسمیں ہوسکتی ہیں خدا کے منکر یا نافرمان کی نیکی ہے جو کسی غلط نصب العین کی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور اُسی غلط محبت کو اور فروغ دیتی ہے۔ چونکہ وہ خودی کے جذبۂ محبت کو غلط راستہ پر ڈالتی ہے' وہ خودی کی پرورش نہیں کرتی بلکہ اُس کی پرورش کے عمل کو نقصان پہنچاتی ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں ایسی نیکی ضائع ہوجاتی ہے۔ ایسی نیکی راکھ کے اُس ڈھیر کی ہے جس پر آندھی کے دن تیز ہوا چلے اور اُسے اڑا کر لے جائے۔ اس طرح کافر جو کچھ کماتے ہیں اس میں سے اُن کے ہاتھ کچھ نہیں آتا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ (ابراہیم: ۱۷)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اُسے پانی سمجھے' یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آئے تو اُسے کچھ بھی نہ پائے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔا۔ (النور: ۳۹)

اُن کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اور قیامت کے دن جب اعمال کا محاسبہ ہوگا تو اُن کا کوئی وزن شمار میں نہیں آئے گا۔

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (الکہف: ۱۰۵)

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص خدا سے اپنی سخاوت کا اجر طلب کرے گا تو خدا اُسے کہے گا کہ تم نے سخاوت اس لیے نہیں کی تھی کہ میں تم پر راضی ہو جاؤں بلکہ اس لیے کی تھی کہ لوگ تمہاری ستائش کریں اور تمہیں سخی کہیں، سو لوگوں نے تمہیں دنیا میں سخی کہہ دیا، اب یہاں تمہارے لیے کوئی اجر نہیں۔ سوشلزم کے نظام کے لیے بے خدا ہونا ضروری ہے بلکہ وہ خدا پرستی کی مخالفت کی بنیاد پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس میں نیکی کا وجود ناممکن ہے۔ نیکی خدا کی محبت کا ایک پہلو یا جزو ہے جو اس سے الگ پایا نہیں جا سکتا۔ جہاں اُس کا کل نہ ہوگا وہاں اس کا جزو بھی نہیں ہو سکتا۔ جب درخت ہی موجود نہ ہو تو اس کا کوئی پتہ یا پھل یا پھول کیسے موجود ہو سکتا ہے۔

اخلاقی برائیوں کے محرکات

پھر ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جن برائیوں کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے اُن کے اسباب و محرکات بھوک اور افلاس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ جو خوش حالی اور فارغ البالی کی حالت میں اور بھی زیادہ مؤثر اور فعّال ہو جاتے ہیں۔ مغرب میں ان جرائم کی روز افزوں ترقی کا باعث زیادہ تر بے فکری، فارغ البالی، تنوع پسندی اور تفریح طلبی ہے۔ اگر خدا کا خوف نہ ہو تو اعمال میں اخلاقی نظم اور ضبط پیدا کرنے والی کوئی اور مؤثر اندرونی قوت موجود نہیں ہوتی اور ایسی حالت میں عافیت بھی انسان کے لیے بارِ گراں بن جاتی ہے۔ لیکن جہاں ان جرائم کا سبب بھوک اور افلاس ہو وہاں اگر بھوک اور افلاس کے دُور ہونے سے ان کا ازالہ ہو جائے تو اصلی اور حقیقی نکوکاری ان کی جگہ نہیں لے گی، کیونکہ بھوک اور افلاس کے واپس آنے پر پھر ان کی طرف عود کرنے کی نیت موجود رہے گی اور یہ نیت ان کی نکوکاری کو خاک میں ملاتی رہے گی۔ لہٰذا اگر سوشلسٹ ملکوں میں بھوک اور افلاس کے دُور ہونے سے کوئی نیکی رواج پذیر ہوئی ہے تو وہ اصلی اور سچی نیکی نہیں۔ اصلی نیکی وہی ہے جس کا سبب دولت مندی نہ ہو بلکہ خدا کی رضامندی ہو۔ جو لوگ افلاس کی حالت میں ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کر کے اپنے افلاس کا ازالہ کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہوں سوشلزم کا نظام افلاس اور بھوک کا ازالہ کر کے ان کو نیک نہیں بنا سکتا۔

نفسانی لذات کی افیون

سوشلسٹ کہا کرتے ہیں کہ مذہب، جو صبر و قناعت اور شکرگزاری اور امن پسندی اور تقدیر کے ساتھ رضامندی کی تلقین کرتا ہے، ایک افیون ہے، جو انسان کو اس کی اصلی ضرورتوں سے غافل کر دیتی ہے۔ مذہب پر ان کا یہ حملہ قابلِ معافی ہے، اس لیے کہ وہ بیچارے فقط ناپائیدار ٹٹو اور اس کی ضرورتوں کو جانتے ہیں اور باقی رہنے والے اور آگے جانے والے روحِ رواں ارتقائے کائنات سوار کا اور اس کی ضرورتوں کا اُن کو علم ہی نہیں۔ اگر اصل انسان انسان کا جسم ہوتا اور اگر انسان کی اصل ضرورتیں اس کے جسم کی ضرورتیں ہوتیں تو سوشلسٹوں کی یہ بات درست ہو سکتی تھی لیکن حقیقتِ حال یہ نہیں۔ اصل انسان انسان کا جسم نہیں بلکہ اُس کی خودی ہے، لہٰذا مردِ مومن کو حق پہنچتا ہے کہ وہ سوشلسٹوں کے برعکس یہ کہے کہ جسمانی خواہشات کی لذّت ایک افیون ہے جو انسان کو اُس کی اصل سے غافل کر دیتی ہے۔ لہٰذا وہ جسمانی خواہشات کو جس قدر نظر انداز کرے گا اور کم کرے گا اُسی قدر اُس کے لیے اچھا ہے، کیونکہ اسی قدر وہ اپنی اصل ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آزاد ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اپنے نفس کے ساتھ برسرِ پیکار رہتا ہے اور اُسے اُبھرنے نہیں دیتا۔

مردِ مومن زندہ و باخود بجنگ
بر خود افتد ہمچو بر آہو پلنگ

مردِ مومن کے برعکس اگر ایک سوشلسٹ نادانی سے یہ سمجھتا ہے کہ جسم ہی سب کچھ ہے اور خودی اور اُس کے تقاضے محض توہّمات ہیں تو قدرتی بات ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ جس قدر خدا کا خیال دل سے نکالے گا اسی قدر اُس کے لیے اچھا ہے، کیونکہ اسی قدر وہ جسم کے مطالبات کو آزادی سے پورا کر سکے گا۔ اس بے بنیاد مفروضہ کو اپنانے کے بعد اگر وہ مذہب کو ایک افیون نہ سمجھے تو اور کیا سمجھے!

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدّس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔